سفر میں کسی انسان کے پاس کوئی یقینی علم نہیں ہے، وہ کتنی مہلتِ زندگی لے کر آیا ہے اور اس کی موت کب آئے گی ـــ مجھے کوئی پتہ نہیں کہ درس کے بعد مسجد سے نکلوں اور کوئی ایکسیڈنٹ ہو جائے اور یہ زندگی ختم ہو جائے۔ آپ کا مشاہدہ ہوگا کہ بسا اوقات صبح لوگ نکلتے ہیں اپنے کاروبار کے لئے اور شام کو گھر پر یا لاش پہنچتی ہے یا موت کی اطلاع ملتی ہے۔ تو چونکہ موت کا کوئی وقت ہمیں معلوم نہیں لہٰذا اگر کوئی شخص یہ طے کرلے کہ "میں ہرگز نہیں مروں گا لیکن فرمانبرداری کی حالت میں" ـــ اس کے معنی کیا ہوئے! یہ کہ اسے ہر لمحہ چوکس ہو کر بسر کرنا ہوگا کہ زندگی کا کوئی لمحہ معصیت میں بسر نہ ہو ـــ کیا پتہ موت کا پنجہ کب آکر دبوچ لے! کسی کے پاس کوئی گارنٹی نہیں ہے، کوئی ضمانت نہیں ہے کہ اسی معصیت کے لمحہ میں موت نہیں آجائے گی۔!! اس بات کو سمجھانے کے لئے میں آپ کے سامنے ایک حدیث رکھتا ہوں، حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں اور یہ متفق علیہ روایت ہے:

لَا يَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔

"کوئی زانی حالتِ ایمان میں زنا نہیں کرتا، کوئی چور ایمان کی حالت میں چوری نہیں کرتا اور کوئی شرابی حالتِ ایمان میں شراب نہیں پیتا۔"

جس وقت وہ یہ عمل کر رہا ہے۔ اس وقت ایمان کی اصل حقیقت اس کے دل سے نکل چکی ہے۔ اگرچہ وہ اس معصیت سے کافر نہیں ہوتا۔ یہ بات ذہن میں رکھئے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف صدفی صد درست ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہو جاتا۔ لیکن وہ قلبی یقین والا ایمان اس وقت موجود نہیں ہوتا۔ اگر ہو تو زنا کیسے کرے! اگر وہ قلبی ایمان ہو تو چوری کیسے ہو! شراب کیسے پیئے۔! اب آپ غور کیجئے کہ جس وقت کوئی شخص ان میں سے کوئی کام کر رہا ہے اور عین اس وقت اس کی روح قبض کرلی جائے تو یہ موت کس قدر حسرت ناک موت ہوگی ـــ یہ فرمانبرداری کی حالت کی موت تو نہیں ہوئی بلکہ اس کے برعکس حالتِ نافرمانی کی موت ہوئی۔ اس سے بچنے کی صرف ایک ہی شکل ہے کہ انسان محتاط رہے کہ کوئی بھی لمحہ نافرمانی میں بسر نہ ہو۔

میں یہ عرض کردوں کہ تقویٰ کے موضوع پر میرے محدود علم کی حد تک قرآن مجید کا سب سے زیادہ مؤکد مقام یہی ہے۔ تقویٰ کے ساتھ تو فرمایا: حَقَّ تُقٰتِہٖ یعنی تقویٰ اختیار کرو جتنا اللہ کا حق ہے اور آگے فرمایا "دیکھنا ہرگز موت نہ آئے مگر حالتِ فرمانبرداری میں" وَلَا

تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ یہ ہے پہلا نکتہ، یہ ہے پہلی سیڑھی جس پر ہر مسلمان کو مضبوطی سے قدم جمانے کی پرزور تاکید اور اس کا پرزور حکم آیا ہے۔ اگر یہیں قدم نہیں جمے ہیں تو اگلی بات کرنا بیکار ہے۔ اگلی بات کرنا ذہنی عیاشی بن جاتی ہے۔ سورۃ البقرہ میں یہود کے علمار کے بارے میں کہا گیا:
اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ
کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو! درآنحالیکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، تمہارے پاس تورات ہے۔" یہ طرزِ عمل جو یہود کے علمار کا تھا ہمیں اپنے معاشرہ میں بھی نظر آجاتا ہے کہ تلقین بھی ہے، وعظ و نصیحت بھی ہے، بڑے اعلیٰ مقالات بھی لکھے جا رہے ہیں، بڑی عمدہ تقاریر بھی ہو رہی ہیں۔ لیکن خود ان کے قریب ہو کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنی زندگی میں وہ تقویٰ، اپنی زندگی میں وہ اسلام، اپنی زندگی میں وہ فرمانبرداری کی روش، اپنی زندگی میں وہ حلال و حرام کی پابندی مفقود ہے، حالانکہ ہمارے دین کا بنیادی تقاضا فرد سے یہ ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کرے۔ جتنا اس کا حق ہے۔

(جاری ہے)

بقیہ: حکم و عبر

گرامی، برادران عزیز اور محبان ذوی القدر ہمارے سب سے زیادہ مخاطب ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ ایسے حضرات کی زندگیاں اسلام کے اصول اخلاق کا چلتا پھرتا نمونہ ہوں کہ انہی سے باقیوں کو راہ پکڑنی ہے ___ رب العزت خود ہمیں بھی اس مبارک تعلیم کا عامل بنائے
آمین بحرمۃ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم

بقیہ: ہدایت القرآن

جب انسان کی اچھی بری کمائی سے اس کی ذات کو کوئی فائدہ اور نقصان نہیں پہونچتا تو اس میں مستقلاً قہر و غضب کی صفت کیونکر ہوگی، بلاشبہ اس کی صفت کی تعبیر قہار سے کی گئی ہے اور جبار سے بھی کی گئی ہے لیکن وہ عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے ہے اور اسی کا ایک پہلو ہے کہ جس سے فساد و خرابی دور کر کے خوبی و بناؤ پیدا کرنا مقصود ہے جو اس کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

(باقی آئندہ)

قسط ۴

ہدایات القرآن

مولانا محمد تقی امینی

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ قرآن کتاب ہدایت ہے جو اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے اتاری ہے اور سورۂ فاتحہ اس کتاب کا پہلا سبق ہے جس میں اللہ، انسان اور ہدایت کا ذکر ہے، جب تک ان تینوں کے بارے میں ابتدائی اور بنیادی باتیں نہ معلوم ہوں اس وقت تک کتاب ہدایت کی نہ اصل حقیقت سمجھ میں آئے گی اور نہ اس پر عمل کرنے کی راہیں کھلیں گی، چنانچہ پہلے سبق (سورۂ فاتحہ) میں ان تینوں کے بارے میں ابتدائی اور بنیادی باتیں اس طرح ہیں کہ پہلے اللہ کا ذکر اس کی نہایت دلکش و جامع صفتوں کے ساتھ ہے۔ مثلاً

(۱) اللہ رب العالمین ہے یعنی انسان ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ جس قدر موجودات و مخلوقات ہیں ان سب کی وہ اس طرح پرورش کرتا ہے کہ ہر ایک کے حسب حال اور اس کی ضروریات کے مطابق حفاظت، نگرانی اور ترقی کا سروسامان مہیا کرتا ہے اس لحاظ سے وہ کسی گروہ، نسل، قوم، خطہ اور ملک کا اللہ نہیں ہے بلکہ وہ سب کا یکساں اللہ ہے اور سب کا ہر حال میں (کسی خصوصیت و کمی بیشی کے بغیر) اللہ ہے۔

(۲) اللہ رحمٰن و رحیم ہے یعنی اس کی پرورش رسمی اور ضابطہ کی خانہ پُری جیسی نہیں ہے بلکہ انتہائی محبت و رحمت کے ساتھ ہے۔ ایسی محبت جس میں جوش و خروش ہے اور ایسی رحمت جس کی مسلسل بارش ہے ایسا جوش جو ابلا پڑ رہا ہے اور ایسی بارش جو رکنے کے نہیں رک رہی ہے۔ جو پرورش اس انداز کی ہوگی لازمی طور سے اس میں لائق و نالائق، فرماں بردار و نافرمان اچھے اور برے میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ بلکہ سبھی سے اس کو محبت ہوگی اور سبھی اس کی رحمت سے یکساں فائدہ اٹھانے کے مستحق ہوں گے۔ چنانچہ اس نے پیار و محبت سے بھرا جو خطاب انسانوں سے کیا ہے وہ یٰعِبَادِیَ (اے میرے بندو) ہے۔ یہ خطاب قرآن میں تقریباً بیس جگہ ہے جس طرح فرماں برداروں کے لیے ہے۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّکُمْ	آپ کہہ دیجئے اے میرے (اللہ کے)
لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا	بندو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرتے رہو
حَسَنَۃٌ وَاَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ اِنَّمَا یُوَفَّی	جو لوگ اس دنیا میں حسن عمل کریں گے ان

الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ
(سورہ زمر آیت نمبر ۱۰)

کے لیے اچھا صلہ ہے اور اللہ کی زمین کشادہ ہے جو لوگ ثابت قدم رہنے والے ہیں ان کو اس کا صلہ بے حساب پورا کیا جائے گا۔

اسی طرح نافرمانوں کے لیے ہے۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ
(زمر آیت ۵۳)

آپ کہہ دیجئے اے میرے (اللہ کے) بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں بیشک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا وہ بڑا ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

خطاب کا یہ انداز صرف اللہ کی محبت و شفقت ہی کو نہیں ظاہر کرتا ہے بلکہ انسان کو یہ سوچنے اور سمجھنے پر بھی مجبور کرتا ہے کہ ہم جیسے اور جس حال میں بھی ہوں اس کی رحمت و محبت سے دور نہیں ہیں وہ بہر حال ہمارا ہے اور ہم بہر صورت اس کے ہیں۔

اللہ کی اس محبت و شفقت نے شرک و بت پرستی کے تمام دروازے بند کر دیے، اب اللہ کو راضی کرنے، اس کی ناراضگی دور کرنے اور اس سے لینے و حاصل کرنے کے لیے کسی چور دروازہ سے داخل ہونے کسی اور کے سامنے جھکنے یا کسی اور کو نیاز دینے و نذرانہ چڑھانے کی ضرورت نہ رہی۔

(۳) وہ مالک یوم الدین ہے یعنی اس کی پرورش میں محض اندھی محبت کارونا نہیں ہے جو کمزوری کا نتیجہ ہوتی اور تمام پہلوؤں کو ملحوظ نہیں رکھ سکتی ہے بلکہ اس کی محبت حکمت و دانائی کے ساتھ ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ رحمٰن و رحیم کے ساتھ عادل و منصف بھی ہے مالک یوم الدین (بدلہ کے دن کا مالک ہے) میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی اچھی بُری کمائی کے لیے اس نے جزا و سزا کا قانون مقرر کر رکھا ہے، اگر یہ قانون نہ ہو تو دنیا کھلنڈرے کا کھیل بن جائے اور کوئی کسی کو جینے کا حق بھی دینے کے لیے تیار نہ ہو۔
انسان کے سامنے چونکہ زندگی اور دنیا کے تمام پہلو نہیں ہوتے ہیں۔ اس بناء پر فوری جزا یا سزا نہ ہونے کی وجہ سے طرح طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتا ہے یا واقعات و حالات کی غلط توجیہ پر مجبور ہو جاتا ہے۔
واقعات و حالات میں غلط فہمی یا ان کی غلط توجیہ کے چند مواقع یہ ہیں۔

(۱) انسان یہ سمجھتا ہے کہ سب کچھ یہی زندگی ہے اگر اس میں اس نے جزا اور سزا کو نہ دیکھا تو آخرت